صبا ملک

UrduPhoto.com
Kitab Ghar One Urdu.com

دادی جان نے گھبرا کر اپنے اردگرد ہاتھ مارے، اور چشمہ مل جانے پر فٹافٹ اسے آنکھوں پر فٹ کیا پھر سامنے کھڑی لڑکی کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا۔

وہ بے نیازی سے پنسل ہیل پر کھڑی ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی چابی گھماتی رہی۔

حیرت کے مارے دادی کی انگلی ناک کی پھننگ پر پہنچ گئی اور منہ تھوڑا سا کھل گیا۔ اتنی دیر میں تاج بیگم کچن سے برآمد ہو چکی تھیں۔

"ہائے آنٹی!" وہ لڑکی آگے بڑھی اور تاج بیگم کے گالوں سے اپنے گال مس کرنے لگی۔

دادی کا منہ مزید کھل گیا۔ آنکھیں پھیل گئیں۔ تاج بیگم بھی بے تکلفی کے ان مظاہروں کی عادی نہ تھیں۔ وہ کچھ جھینپیں، کچھ شرمائیں۔

"بیٹھو بیٹی!" وہ بمشکل بولیں۔ "طلیز آتا ہی ہوگا۔"

"ہاں مگر تمہیں اس سے کام کیا ہے؟" دادی جو باری باری دونوں کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ دخل اندازی کیے بنا رہ نہ سکیں۔

"نہیں آنٹی! بس میں چلوں گی۔" اس نے دادی کو قطعاً لفٹ نہ کرائی اور بدستور تاج بیگم سے محوِ گفتگو رہی۔ "ادھر سے گزر رہی تھی تو سوچا چیک کر لوں......"

"کیا سوچا؟" دادی کو اس کی بات پلے نہ پڑی۔ بڑی بے تابی سے انہوں نے پوچھا۔

اس نے ایک اچٹتی نگاہ دادی پر ڈالی اور ان کی بات کا جواب دینا کچھ ضروری نہ سمجھا۔

"کوئی چائے، ٹھنڈا پیتی جاؤ بیٹی!" تاج بیگم نے میزبانی کے تقاضے نبھائے۔

"ارے بہو! اس سے پوچھو آخر اسے کام کیا ہے؟ ہمیں بھی تو پتا چلنا چاہیے۔ ہمارا بچہ ہے وہ۔"

"نہیں آنٹی تھینک یو!" اس نے پھر تاج بیگم سے

UrduPhoto.com

"ہائیں؟" دادی کچھ دیر محوِ حیرت رہیں۔ "کیسی فتنہ لڑکی ہے! آنے دو جنید کو میں پوچھتی ہوں اس سے بھلا پرائی لڑکیوں سے نوٹ لینے کا اس کا کیا کام؟ پیسے چاہئیں تو باپ سے مانگے، فقیر بنا پھرتا ہے۔"

"نوٹ نہیں اماں ... نوٹس!" تاج بیگم نے دہائی دی۔ "آپ نہیں سمجھیں گی۔"

"ہاں بہو! ایک تم ہی بقراط ہو۔" انہوں نے پان کا ٹکڑا غصے سے توڑا۔ "ہم تو اب جاہل ٹھہرے، بابا آدم وہ زمانے لد گئے جب زمانی بیگم زوجہ صدر الدین کی عقل و فہم کی شہرت محلے بھر میں تھی۔"

پان منہ میں رکھ کر ان کے غصے کو کچھ قرار آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہائے ہائے بڑے نصیب مرے۔" اس نے ہاتھ ماتھے پر رکھ کر تاسف کا اظہار کیا۔ "وہ آئے گھر ہمارے، خدا کی قدرت، ہم گھر پر نہیں تھے۔"

"شرم کرو کچھ۔" تاج بیگم نے اسے گھورا۔ "ابھی دادی کے سامنے نہیں پڑ گئے ورنہ سچ مچ روتے نظر آتے اور سچ پوچھو تو مجھے بھی ایسی بے باک لڑکیوں کا یوں بے تکلفی سے میرے بچوں کے متعلق پوچھنا بالکل پسند نہیں۔ ان کو سمجھا دینا۔ آئندہ یہاں آنے کی غلطی نہ دہرائے۔ اپنی دادی کا پتا ہے نا؟"

"پتا ہے پتا ہے۔ کوکونٹ کی طرح ہیں بالکل، اوپر سے سخت، اندر سے بالکل نرم۔" اس پر قطعاً اثر نہ تھا۔

"چل جائے گا پتا۔" وہ جل کر کمرے سے نکل گئیں۔

"ہائے ہائے بھائی جان۔" اس نے جمشید کو بازوؤں سے پکڑ کر پورے کمرے میں گھما ڈالا۔ "یہ گلیاں، یہ چوبارہ، یہاں آنا پھر دوبارہ۔ آپ کو تو خبر ہی نہیں کیا قیامت گزر گئی مجھ پہ۔"

گول گول گھومنے سے جمشید کا سر چکرا گیا اور چشمے کے پیچھے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر

نہیں جُز لیا تو یا دادی سے اس کا مواصلاتی نظام قطعاً رہا تھا۔ "ارے ہائے!"

نہ جینے دو پسلوں پر کھٹ کھٹ کرتی چلی گئی۔ دادی کی پھیلی ہوئی نگاہوں نے آخر دم تک اس کا تعاقب کیا۔

"اری لشماقہ!" پھر وہ ہوش میں آکر نہایت جل کر بولیں۔ "پشت ڈھانپنے کو کوئی چادر نہ ملی تجھے، گلے میں دو بالشت کا پھندا باندھ کر چلی آئی۔"

انہیں اس کے گلے میں لپٹے ریشمی اسکارف کا کچھ مقصد سمجھ میں نہ آیا۔

"اری بہو! یہ جنید کن لڑکیوں کے چکروں میں لگا ہوا ہے؟" انہیں سخت تاؤ آرہا تھا۔

"اُفوہ اماں! آپ تو رائی کا پہاڑ بنا لیتی ہیں۔" انہیں بیزاری ہوئی۔ "شام کے انسٹیٹیوٹ میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے یہ 'اللہ جانے کیا' مشکل سا نام ہے۔ ایک مرتبہ پہلے بھی آئی تھی تب آپ سو رہی تھیں۔ اس کے نوٹس جنید کے پاس ہیں وہی لینے آئی تھی۔"

"ہاں تو سو بار آئے ہم بھی گھر آئے کو عزت دیتے ہیں۔ ارے حلیہ تو سریقوں کا سا بنا ہے، کم بخت باہر شریف بی پھر رہی ہے۔"

"آج کل کی لڑکیاں ایسے ہی فیشن کرتی ہیں اماں۔" تاج بیگم بے نیازی سے بولیں۔ "فلمیں دیکھ دیکھ کر بگڑی ہوئی ہیں۔"

"آستینیں دیکھی تھیں مردار کی؟ گویا ٹیکہ لگوانے آئی ہو۔ قمیص کے چاک گویا مجنوں کا چاک ہوئے۔ کم بخت کی شلوار کا نیفہ نظر آتا تھا۔ اور پائنچے؟ پنڈلیوں پر یوں چڑھے ہوئے تھے جیسے اپنے گھر کا آنگن دھوتے دھوتے چلی آئی ہو۔ بالشت بھر کا رومال گلے میں کس لیا، سب فرض پورے ہو گئے اور بہو!" انہیں یکایک خیال آیا۔ "یہ اس غریب کے بالوں کو کیا ہو گیا؟ ایک لٹ سفید، ایک کالی یہ کون سی بیماری ہے؟"

"بیماری نہیں اماں جان! فیشن ہے یہ بھی۔ خود رنگواتی ہیں لڑکیاں۔ کبھی سنہری کبھی زرد پیلی۔"

UrduPhoto.com

بانٹے گا۔

"لیکن وہ ہے کون؟ کہاں مل گئی تمہیں اور یہاں کس لیے آئی؟" لڑکی کے متعلق دریافت کرنے کے تجسس نے اسے جنید کی ہلکی حرکت پر برہم ہونے سے باز رکھا۔ وہ ٹھوڑی پر آیا ہوا چشمہ درست کرنے لگا۔

"نام ہے عصمت خان!"

"نام میں ہی کوئی منگول سپہ سالار معلوم ہوتی ہے۔" وہ احمقانہ پن سے بولا۔

"انسٹیٹیوٹ میں میرے ساتھ پڑھتی ہے۔" اس نے بھائی کے تبصرے کو چنداں اہمیت نہ دی۔ "اور رہی بات یہ کہ یہاں کیوں آئی تو میرا خیال ہے بھائی جان! کہ وہ گوڈے گوڈے میرے عشق میں ڈوب چکی ہے اور دیوانوں کی طرح مجھے پکارتی پھر رہی ہے۔ کبھی وہ انسٹیٹیوٹ میں میرا پتا معلوم کرتی ہے کبھی کسی سے میرا فون نمبر معلوم کرتی ہے اور کبھی گھر تک چلی آتی ہے۔"

"چھوٹے بھائی!" جمشید اطمینان سے بولا۔ "میرا خیال ہے تم کچھ بھول رہے ہو۔"

"وہ کیا بھائی جان؟"

"وہ دو سو روپے جو تم نے اس سے ادھار لیے تھے۔ تمہارا پیچھا اس قدر بے تابی سے کوئی لڑکی محض اسی لیے کر سکتی ہے۔"

"ہاہاہا... بس ہو گئے نا جیلس۔" جنید نے مصنوعی قہقہہ لگایا۔ "ارے بھائی جان! وہ اتنی امیر ہے کہ روزانہ مجھے دو سو روپے کا لنچ کرا سکتی ہے۔ دو سو تو کیا، ضرورت پڑنے پر میں اس سے دو لاکھ بھی ادھار مانگ سکتا ہوں۔"

"اچھا!" جمشید پر اس کی باتوں کا بالآخر اثر ہو گیا۔ اس کی نگاہوں میں حرارت سی آ گئی۔ "لیکن چھوٹے بھائی! ذرا آئینہ دیکھ کر مجھے یہ تو بتاؤ کہ اسے تم میں نظر کیا آیا؟ کہیں تم نے سبزی منڈی والے چوک پر بیٹھے سائیں دل بر دلی مراد سے سرمہ تسخیر محبوب تو نہیں خرید لیا؟ اس روز تم مجھ سے بیس روپے ادھار بھی تو لے گئے تھے۔"

"ہاہ! آپ کہیں تو وہ سرمہ میں آپ کو لا دیتا ہوں۔ دو روپے کی شیشی ہے۔ آپ آزما کر دیکھ لیں۔"

"نہیں میرے دوست۔" اس نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ "ان آنکھوں میں اب آنسو ہی رہنے دو۔ انتظار یار کر کر کے اب یہ بے نور ہو چلی ہیں۔ اب کوئی سرمہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

"یہ آنسو ہیں کہاں بھائی جان؟" اس نے بغور بھائی کا چہرہ دیکھا۔ "تالاب خشک پڑا ہے۔ کناروں پر کیچڑ جمع ہے۔ خواہشوں کے مینڈک ابھی بھی پھڑکتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ بے فکر رہیں۔ عشق کے اشتیاق سے لبالب بھری یہ آنکھیں اس قدر جلد بے نور نہیں ہو سکتیں۔ آخر آنٹی نور بانو کی تین عدد خوبصورت شادی کے قابل لڑکیاں ہماری اوپر کی منزل پر کبھی کبھار قیام کرتی ہیں۔"

جمشید کی آنکھیں جلدی جلدی جھپکنے لگیں۔ لب پھڑپھڑانے لگے۔ چہرے پر بشاشت چلی آئی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو میرے دوست! مایوسی کفر ہے۔ میں کفران نعمت کرنے لگا تھا۔ تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے مجھے صحیح وقت پر چونکا دیا۔"

جنید معنی خیزی سے مسکراتا رہا۔

"لیکن میرے یار! یہ بھی تو سوچو کتنا اچھا لگتا ہے کہ چھوٹا بھائی محبت کی رنگین کہانی کا آغاز کر ڈالے اور بڑے بھائی کے دل کا صفحہ بے رنگ و سادہ ہی رہ جائے۔ آخر تمہیں میری زندگی کے ادھورے پن کا کچھ احساس ہونا چاہیے۔ اس بے رنگ کیفیت کا کچھ تدارک کرو۔ دل آنٹی تک میرے دل کی آواز پہنچانے کی کوئی تدبیر کوئی سبیل کرو۔"

"کہیں تو ان کے کمرے میں وہی 'لاؤڈ اسپیکر' فٹ کروا دوں؟" اس نے آنکھ ماری۔ "ایسی آواز پہنچے گی آپ کے دل کی کہ ایک زمانہ سنے گا۔"

"نہیں نہیں۔" وہ گھبرا گیا۔ "یار! مجھے اظہار محبت

UrduPhoto.com

کرنا ہے۔ خطبہ نہیں پڑھنا۔ کوئی اور ترکیب کرو۔"

"اچھا سوچنا پڑے گا۔" اس نے تھوڑی کھجائی۔

"وہ بھائی جان یاد آیا۔ مجھے پچاس روپے چاہیے تھے۔ جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔ سوچتا ہوں کل شام خجستہ کو کولڈ ڈرنک پلاؤں۔"

"ہاں ہاں۔" اس نے گھبرا کر جیبیں ٹٹولیں۔ "لیکن یار! دو کولڈ ڈرنکس کے لیے تو بیس روپے بھی کافی ہیں یہ تم پچاس روپے کیوں مانگ رہے ہو؟"

"بھائی جان' کوئی ٹپ وغیرہ بھی تو دینی پڑ جاتی ہے۔ آپ کو ان معاملات کا کیا پتا؟"

"آہ!" اس نے سینے کی جیب ٹٹولتے ہوئے یکایک دل تھاما۔ "یہ کیسی چوٹ کی ہے میرے بھائی۔ اب چار پہر جی کو قرار نہ آئے گا۔"

"آپ پلیز دیں بھائی جان! اس قدر جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ خبر سنانے جا رہا ہوں کہ چار تو کیا آٹھ دونی سولہ پھر آپ مسرت سے ناچتے پھریں گے۔"

"اچھا! سچ کہتے ہو؟" وہ پر اشتیاق ہوا۔

"سو فیصد!"

"تو جلدی کہو؟"

"آپ کو ڈانس کی اتنی جلدی ہے؟" وہ شرارتی ہوا پھر اس کے بگڑتے تیور دیکھ کر جلدی سے انسانیت کی جون میں آ گیا۔ "وہ میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ "غزل نیوز ایجنسی" کے مطابق تینوں حسینائیں ہفتہ بھر کی چھٹی پر کل پہنچ رہی ہیں۔"

"سچ کہہ رہے ہو میرے بھائی؟" جمشید نے جوش جذبات میں اس کا گریبان دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ جنید نے اس کی جیب سے پچاس کا نوٹ نکال لیا۔

"آپ کی قسم۔"

"میں اڈی اڈی جاواں ہوا دے نال۔" جمشید کے گانے پر اڑانیں بھرتا وہ کمرے سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"ارے شکورہ! یونہی تو مائیں اپنی بیٹیوں کو آٹھ کلی کے کرتے نہیں پہناتی تھیں۔ کوئی بھید، کوئی راز تھا نا اس کے پیچھے؟ مار پڑے آج کل کی ماؤں کو بیٹیوں کو۔ کلیوں والی قمیص تو دور کی بات ہے کلیوں والی شلوار بھی گئی۔ موٹی موٹی پنڈلیاں لیے پھر رہی ہیں۔"

"ٹھیک کہا بی جان آپ نے۔ ایک پان اور بنا دیجیے۔"

"پان؟" دادی چونکیں۔ "ارے شکورہ! تم کب سے زیادہ پان نہیں کھانے لگیں؟ پچھلے ایک گھنٹے میں تمہارا تیسرا پان ہے۔ خیر!" انہوں نے مارے باندھے جی سے پاندان کھولا۔ "دینے میں مجھے عار نہیں لیکن یہ کم بخت کوئی کام کی چیز بھی نہیں۔ جو بکری کی طرح جگالی کیے جا رہی ہو۔ اچھا یہ لو۔" انہوں نے بالکل ننھا منا سا پان اپنی ہم سخن کی نذر کیا۔

"ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں؟"

"آپ؟ آپ وہ... وہ..." انہوں نے جان بوجھ کر منہ میں پیک بھر لی۔

"ہاں یاد آیا۔ میں الفتی کی داستان سنا رہی تھی۔ کمبخت آرہے ہیں یہاں تخت پر بیٹھی اس "فتی" سے ذرا دو باتیں پوچھیں' مجال ہے جو اس نے میری ایک بات کا جواب دیا ہو۔ ناک کو "اٹی اٹی" کرکے چلتی بنی۔ آج کل کی چھوکریوں کو کچھ بزرگوں کا لحاظ ہے؟"

"لڑکے کے لیے پوچھا آپ نے؟" شکورہ بی نے پیک نگل کر ادھر ادھر دیکھا اور رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"ارے پوچھ لیں گے۔" انہوں نے بھی اڑائی۔ "تمہارا لڑکے ایسے نہیں شکورہ! معصوم بچے ہیں وہ غریب کچھ نوٹ لینے آیا تھا اس سے۔ پڑ گئی ہو گی ضرورت ادھر۔ کیا کہتے ہیں۔ ارے جہاں "کمپیوٹر" سیکھنے جاتا ہے حالانکہ باپ نے کبھی کمی نہیں کی۔ میرا قطب الدین بڑا خیال رکھتا ہے اپنے بچوں کا۔ پھر بھی سو ضرورتیں ہوتی ہیں بچوں کی۔ وہ "بخیلن" گھر پہنچ گئی میکے واپس لینے۔ انگلی پر چابی یوں جھلا رہی تھی

UrduPhoto.com

جیسے ہم اس کا کرتب دیکھنے کو بیٹھے ہوں۔ گردن میں رومال پھانسی کے پھندے کی طرح کسا ہوا، کمر پر قمیص کسی ہوئی تو۔ توبہ۔ ارے پتلی کمر ہماری بھی تھی لیکن مجال ہے جو کسی کو زندگی بھر خبر ہوئی ہو۔ سوائے تمہارے ابا کے۔ ان کی تو مٹھی میں سما جاتی تھی میری کمر۔"

"مگر۔۔۔ میرے ابا میاں؟" شکورہ بی کو غش محسوس ہوئی۔

"ارے ہمارے سرتاج اصدر الدین جنت مکانی۔" دادی نے چھنگلی پر سے چونا چاٹا۔

"اچھا بی بی جان، میں اب چلوں۔ گھر پر لڑکیاں اکیلی ہیں۔"

شکورہ بی داستان کی بے رنگینی سے اکتا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اب بھلا لڑکی کا محض حلیہ کہاں تک سنے جاتیں۔ دادی اپنے پوتے کو تو صاف بچا کر لے گئی تھیں۔ داستان میں دلچسپی مفقود تھی۔

"چلتی ہو؟ اچھا جاؤ، پھر آنا خیر سے۔ ایک تو یہ پان بہت مہنگے ہو گئے ہیں۔ جان کو جنجال ہی لگا لیا ہم نے۔ کس کام کا موا شوق، پیسے کا بھی زیاں۔"

شکورہ بی ناک بھوں چڑھا کر رخصت ہوئیں۔ دادی پاندان کے نچلے حصے سے ریزگاری نکال کر گننے لگی تھیں۔

☆ ☆

سیٹی پر کوئی شوخ سی دھن بجاتا، وہ بے حد خوشگوار موڈ میں گھر میں داخل ہوا تھا۔ تخت پر براجمان دادی کو ہشیار باش پا کر اس کی شوخی ہوا ہو گئی۔ کتابوں کو سنبھالنے میں مشغول ہو کر وہ ان کے قریب سے گزرنے لگا۔

"ارے او میاں چھیلے۔" پاٹ دار آواز پر وہ گڑبڑا کر رک گیا۔

"د۔۔۔ دادی جان۔۔۔ او۔۔۔ السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ کہاں بچتے بچاتے نکل رہے ہو؟ یہاں آکر بیٹھو، دو گھڑی۔"

جنید کو جان بچانے کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا۔ ناچار گردن کھجاتا وہ ان کے پاس جا بیٹھا۔

"امی۔۔۔ کھانا۔۔۔ بھوک لگی ہے۔" اس نے دادی جان کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

اس کی آواز سن کر جمشید بھی چلا آیا۔ وہ بھی تخت پر چڑھ گیا۔

"پڑھائی اچھی کرتے ہو؟" انہوں نے پوتے کو مشکوک نگاہوں سے گھورا۔

"میری پیاری دادی!" وہ پھرتی سے ان کے پاس

رضیہ جمیل کے شاہکار افسانے
بدریا برس گئی اس پار
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت کتاب آپ
بہنوں کے لئے خوبصورت تحفہ
قیمت: 150/ روپے
اس کے علاوہ "2" مکمل ناولوں کے
ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں
اک گھروندہ برف کا: 300/ روپے
ساگر دریا بادل بوند: 300/ روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی

UrduPhoto.com

آگیا۔ "صبح و شام' دن رات' کتابیں' کتابیں اور کتابیں۔ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا۔"

"ہوں۔" انہوں نے چشمے کے عقب سے اسے دیکھا۔ "وہ جو نازنین کل تمہارا پوچھتی پھرتی تھی۔ وہ کون ہے؟" جنید نے کچھ نہ سمجھنے کی اداکاری کرتے ہوئے کان کھجایا۔

"یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟" اس نے جمشید سے پوچھا۔ "غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟"

"ناس پیٹے! ٹھیک ٹھیک بول۔" بالآخر اسے ایک دھمو کا ملا۔ "کیوں راہ و رسم بڑھائی ہے تو نے اس سے؟ ہونٹ مانگنے کو کوئی مرد بچہ نہیں ملا؟ لڑکی کے سامنے فقیر کیوں بنا تو؟"

"بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب!" اس نے آہ بھر کر کمر سہلائی۔ "تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں۔ لیکن پیاری دادی! نوالیں تو اس نے مجھ سے مانگے ہیں۔ میری رات رات بھر کی ریاضتیں یہ کس نے آپ کو غلط فیڈ کیا ہے؟"

"تیری ماں ہی کہہ رہی تھی کہ تو نے اس سے ادھار رقم لی ہے۔" وہ [illegible]

"پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا؟"

"اچھا! اب آئے گی تو میں خود پوچھوں گی۔ لڑکی ہے شائستہ کہیں کی۔ کہہ گئی ہے پھر آئے گی۔"

"دم کہ خوشی کے مارے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"اور مردود! تجھے شرم نہ آئی ایسی بے باک لڑکی سے دوستانہ کرتے؟" اسے پھر ایک دو ہتھڑ سے نوازا گیا۔ "گلے میں بالشت بھر کا رومال باندھ آئی تھی بے شرم۔"

"ہائے!" جنید نے آنکھیں گول کیں۔ "اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب۔"

"مردار! کیا بکے جا رہا ہے؟" وہ غضب ناک ہوئیں۔

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔"

جمشید حیرانی سے آنکھیں پھاڑے بھائی کی سمت دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یار جنید!" وہ خوشامدی انداز میں اس کے پاس بیٹھا۔ "یار! یہ اتنے اچھے اچھے شعر کہاں سے یاد کیے؟"

"ہائے بھائی جان!" اس نے سر کھجایا۔ "میں کہاں اور یہ وبال کہاں۔ نازنینوں کو متاثر کرنا بھی کوئی آسان کام ہے؟ غالب کا جگر خون نم خون ہو گیا۔ ذرا دیوان اٹھا کر دیکھیے۔ ہفتہ بھر سے سر کھپا رہا ہوں' تب کہیں جا کر ایک دو غزلیں رٹی ہیں۔"

"تم نے تو رٹ لیں یار! میرا کیا ہوگا؟" وہ مایوس ہوا۔ "مجھے تو چڑیا گھر کے شیر کا حلیہ یاد نہیں۔ آنکھیں بند کر کے سوچوں تو بلی ذہن میں آجاتی ہے۔ میں ایسے شعر کہاں یاد رکھ سکتا ہوں؟"

"تو آپ کو یاد کرنے کی ضرورت کیا ہے؟" اس نے [illegible]

"ارے واہ۔ خود تو غالب کا دیوان یاد کر رہے ہو اور مجھ سے پوچھتے ہو کیا ضرورت ہے! تم اس خستہ حال غالب کے شعر سناؤ اور میں اپنی شمو کو کچھ نہ سناؤں۔"

"آپ کی شمو؟ اوہ اچھا! اچھا! شمشاد بیگم کا ذکر کر رہے ہیں آپ' آپ اسے موسم کا حال سنائیں بھائی جان! ٹی وی والے روز بتاتے ہیں؟"

"میرے پچاس روپے فوراً واپس کرو۔" جمشید طیش میں آگیا۔ "اور اس سے پہلے والے بیس روپے بھی ابھی نکالو۔"

"اوہو ہو... بھائی جان! میرے پیارے بھائی آپ تو خفا ہو گئے۔ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔ اچھا تو آپ شمو کو شعر و شاعری سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں تو اس میں کیا مشکل ہے؟ لیکن آپ کو ایک سادہ صفحے پر دس اچھے اچھے اشعار لکھے دیتا ہوں۔ سنا ڈالیے۔ ملے تو آداب کیجیے یوں۔"

UrduPhoto.com

اس نے ایک "خاص ادا سے بال جھٹک کر انگلیاں ماتھے سے لگائیں۔

"لیکن یار! آسانوں کیسے؟ تمہاری وہ خجستہ خان تو روز انسٹیٹیوٹ میں ملتی ہے تمہیں۔ شمو تو کبھی سیڑھیوں پر بھی نہیں ملتی۔" وہ بیزاری سے بولا۔

"اچھا تو یہ بات ہے؟" اس نے کچھ دیر غور کیا۔ "تو بھائی جان! آپ تو یوں بھی سولہویں صدی کے رومیو ہیں۔ اظہار محبت کے لیے طریقہ بھی فرسودہ اختیار کیجیے۔ آپ کی عقل و فراست کا پردہ بھی رہ جائے گا، حسینہ کے طمانچے کا خوف بھی جاتا رہے گا۔"

"اچھا!" جمشید اس کے قریب آ بیٹھا اور اس کی گردن میں بازو حمائل کیا۔ "تو جلدی کہو میرے دانا دوست مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"ایک عدد خط تحریر کیجیے۔ اس میں اپنی شکایت بائے رنگیں بیان کیجیے 'تغافل ہائے ساقی کا گلہ کیجیے دل گم گشتہ کا سراغ مانگیے، نگہ ناز کی قصیدہ خوانی کیجیے۔"

جمشید نے اپنا بازو اس کی گردن سے نکال لیا اور اسے بری طرح گھورنے لگا۔

"یار جنید! مجھے کیا معلوم محبوب کو خط کیسے لکھنا... لکھنا یار! کوئی آسان بات ہے؟ بتا کیا لکھوں؟"

"آسان بات؟" اس نے کان کھجایا۔ "آئی لو یو سے آسان بات کوئی نہیں بھائی جان! سیدھا سیدھا لکھ بھیجیں۔"

"نہیں یار تو سمجھ نہیں رہا۔ کوئی پھڑکتی تحریر کوئی ایسی متاثر کن بات کہ بس تڑپ اٹھے ظالم۔"

"مرغ کی سالم کلیجی بھیج دیں۔" وہ طنزاً بولا۔ "اپنے جگر کے نام سے۔"

"نہیں پیسے مانگ لوں گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"میں مزید پیسے لوں گا۔" وہ بھی اکڑا۔ "سو روپے میں ایک عدد خط ہو لیں منظور ہے؟"

"سو روپے؟" جمشید پریشان ہو گیا۔ "یار! یہ تو بہت ہیں۔ پتا نہیں کتنے خطوں کی ضرورت پڑے یوں کرو سو روپے میں چار خط..."

"نہیں خالی خولی منشی ہوں کیا۔" وہ بے رخی سے بولا اور کتاب کھول کر بیٹھ گیا۔

"اچھا چلو دو خط۔ اب تو مان جاؤ۔"

"ہوں!" اس نے نخرے سے سر ہلایا۔

جمشید نے خوشی سے کھل کر اس کا گال چوم لیا۔

☆ ☆ ☆

"آئے لو موسم رنگیلے سہانے۔ جیا ناہیں مانے۔ تو چھٹی لے کر آجا بالما۔" غزل بے حد موڈ میں گنگناتی ہوئی کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی۔

باہر صحن میں اپنے تخت پر براجمان پنج سورہ پڑھتی دادی کے کان کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے چشمے کے اوپر سے عقابی نگاہیں بنا کر کچن کے دروازے کو گھور کر گانا بند ہونے کا انتظار کیا، لیکن اندر اپنے کام میں منہمک غزل ان کے اندرونی تلاطم سے بے نیاز و بے خبر تھی۔ وہ بدستور گنگناتی رہی۔

"ہوں ہوں... ہوں ہوں..." بالآخر دادی جان نے اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا کہ پنج سورہ کے دوران گفتگو کرنا ان کے نزدیک آداب کے خلاف بات تھی۔

"کہیں پھول کو بھنورا چوم گیا۔"

دادی جان کے چہرے کے تاثرات غضب ناک ہوئے۔ ان کا زور زور سے ہلنا بھی موقوف ہوا۔

"میرا دل مستی میں جھوم گیا۔ کوئی میری خوشی کو نہ جانے۔"

دادی جان نہایت غصے میں پنج سورہ جزدان میں لپیٹنے لگیں۔

"مردار کہیں کی۔ ذرا ادھر آ تو..." انہوں نے کڑک دار آواز میں کہا۔

غزل کو ان کے تیوروں میں ان کی بات سمجھ میں نہ آئی۔ وہ اب ساس پین مانجھنے میں مشغول تھی۔

"بڑے ارمانوں سے رکھا ہے بلم تیری قسم۔ پیار کی دنیا میں یہ پہلا قدم... پہلا قدم۔"

اس کی کمر پر ایک زور دار دھموکا پڑا۔ وہ اچانک افتاد سے بوکھلا کر رہ گئی۔

UrduPhoto.com

"مردود نہیں کی۔ کانوں میں تیل نہیں ڈالا جاتا تجھ سے؟ بہری بنی کھڑی ہے۔ بے گانے پہ گانا۔ دے گانے پہ گانا۔ میرا اللہ رسول کا نام لینا دو بھر کر ڈالا تو نے ناہنجار۔"

وہ بے حد غضب ناک ہو رہی تھیں۔ اندر آتی تاج بیگم نے بھی غزل کو گھور کر دیکھا۔

"کیا ہر وقت گانے گاتی رہتی ہو غزل؟ زبان کو دو گھڑی قرار نہیں ہے؟"

"اری تاج! گانا بھی وہ گاتی ہے جس میں گھوم پھر کر اسی مردود کا ذکر ہوتا ہے۔ میں کہتی ہوں خدا خدا کر کے تو وہ گیا ہے گھر سے۔ شیطان تو ہے پورا اتنا ذکر ہو گا تو پھر چلا آئے گا۔"

تاج بیگم اور غزل کے چہرے پر کچھ نہ سمجھ میں آنے والے تاثرات پیدا ہوئے تھے۔

"میں کس کا ذکر کروں گی دادی؟" وہ کمر سہلاتے ہوئے روتی آواز میں بولی۔ "میں تو آپ کی پسند کا گانا گا رہی تھی۔ آپ سے ہی سیکھا تھا میں نے۔"

"ہاں ہاں میں ہی گنگناتی تھی۔" انہوں نے اقرار کیا۔ "لیکن جب [illegible] میں نے اپنی پسند لپیٹ کر ایک طرف رکھ دی۔"

"کیوں ... وہ بے چارہ کیا کہتا ہے؟" تاج بیگم نے ناک بھوں چڑھائی۔

"اری ہر گانے میں تو بالم بالم ہے۔ ذہن میں اس خبیث کی ہستی آجاتی ہے۔"

غزل اپنی کمر کا درد بھول بھال زور زور سے ہنسنے لگی۔ تاج بیگم بھی مسکرائے بنا نہ رہ پائیں۔

"خدا خدا کر کے تو وہ چھٹی پر گیا ہے۔ اس کی کچھ دیر کو گلو خلاصی ہوئی ہے نہ گایا کرو بالم بالم والے گانے۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے کچن سے نکلیں۔

"کیا ذکر اذکار ہے کوئی ایسے گھر میں۔"

"گورے گورے او بانکے چھورے ... کبھی میری گلی آیا کرو۔" غزل شرارت سے گنگناتے ہوئے اندر کو بھاگی۔ دادی نے جل کر جوتی اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا تب تک وہ بھاگ چکی تھی۔

دادی نے بڑبڑاتے ہوئے اپنا پاندان کھولا اور [illegible] کی سوکھی کلھیا چھپی سے رگڑنے لگیں۔

"او ... میں کیا ... چاچی جی ... ایہہ بوہا کھولیں۔" (میں نے کہا چاچی جی یہ دروازہ کھول دیں۔)

دادی جان نے حیرت اور خفگی سے ادھر ادھر گویا آواز کا منبع ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

"او جی ... ایتھے ایتھے ... میں ایتھے [illegible]" (او جی ... ادھر ادھر ... میں ادھر ہوں۔)

دادی نے ہاتھ کا چھجا بنا کر اوپر کی سمت دیکھا۔ خورشید علی صاحب کے بڑے بھائی عرف چاچا [illegible] روایتی لباس میں ملبوس وہاں کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔

"کیا ہے؟" دادی برسیں۔ "کیوں حلق پھاڑ رہا ہے؟"

"او چاچی جی ... بوہا [illegible] کھول دیں۔ (چاچی جی میں [illegible] باہر سے دروازہ بند ہے ... کھول دیں۔)"

"[illegible]" دادی نے ناک پر [illegible] چڑھائی۔ "کون سا بوا؟ کہاں بند ہے بھائی؟"

"چاچی جی ایہہ بوہا" انہوں نے بے بسی سے کہا۔

"ارے بوا ارے چاچی بول یا بوا بول۔ کوئی ایک بات بول تو۔ کبھی چاچی کہتا ہے کبھی بوا کہتا ہے۔ ارے بھائی میں اتنی بڈھی نہیں۔ تم سے دو چار برس ہی آگے ہوں گی۔ لو بتاؤ بھلا ... سفید بال ہیں بڈھے کے [illegible] بن رہا ہے۔"

"او نئیں جی نئیں میں آکھیاں بوہا بند اے۔"

"ارے کون سی بوا بند ہے؟" وہ جھلا گئیں۔

اندر سے نہایت تیزی سے تاج بیگم برآمد ہوئیں۔

"رہنے دیں آپ۔" انہوں نے ساس کو بدمزگی سے کہا۔ "وہ بے چارے اوپر بند ہیں۔ کام والی ماسی جاتے دروازے کی کنڈی لگا گئی ہے۔ دوسری جانب نور بانو آوازیں دے رہی ہیں۔ یہاں سے بھائی صاحب

UrduPhoto.com

چلا رہے ہیں۔ آپ کو تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میں کھول کر آتی ہوں ان کی کنڈی۔"

"ہائے لو۔ سب فنکار ہیں یہاں۔" دادی سر جھٹک کر پان پر اطمینان سے کتھے کا کوٹ کرنے لگیں۔

"اب میں کیا جانوں؟ سیدھی بات نہیں کرتا۔ بوا' بوا کیے جا رہا ہے ننھا میاں۔ بھائی صحیح سے بول' باہر سے کنڈا (دا) لگا ہے' کھول دو۔ ہم سمجھیں بھی باریک دھوتی لپیٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ حواس تو ویسے ہی خبط ہونے لگتے ہیں نگاہ پڑتے ہی۔ اللہ مغفرت کرے جنت مکانی صدرالدین صاحب کی کیسے نفیس آدمی تھے۔"

☼ ☼ ☼

"کیا کرتی ہو نور بانو؟" دادی جو بڑی دیر سے ریلنگ میں سے دکھائی دیتی نور بانو کی سرگرمیوں کو بھانپنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ بالآخر رہ نہ سکیں۔

اتنا اندازہ تو انہیں ہو گیا تھا کہ وہ کوئی اہم کام سرانجام دے رہی تھیں۔ ایک مخصوص قسم کی خوشبو بھی ان کی ناک کو گدگدا کر جا چکی تھی۔ سو اب وہ بے تاب ہو کر انہیں پکار بیٹھی تھیں۔

نور بانو ان کی پکار پر خوش ہوتی ریلنگ تک چلی آئیں۔

"اماں جی! انباں دا اچار پوندی آں۔ نالے مرچاں تے لیموں وی آں۔" (اماں جی! آم کا اچار ڈال رہی ہوں' ساتھ میں مرچیں اور لیموں بھی ہیں۔)

"اچھا اچھا! میں بھی کہوں' کھٹی کھٹی خوشبو آ رہی ہے۔ کیسے ڈالتی ہو کوئی خاص ترکیب ہے کیا؟"

"ہاں جی' تسی آجاؤ نا۔۔۔" (انہوں نے خوش دلی سے کہا۔)

"اچھا!" دادی جان نے لمحہ بھر توقف کیا۔ "چلو تم اتنا اصرار کر رہی ہو تو آجاتی ہوں۔ ویسے سیڑھیاں چڑھنا مشکل ہے میرے لیے۔"

"آہو جی۔۔۔ پوڑھیاں (سیڑھیاں) دا تے مسئلہ ہے!" (ہاں جی۔ سیڑھیوں کا تو مسئلہ ہے۔)

"خیر!" دادی برا مان گئیں۔ "اتنی بوڑھی ابھی نہیں ہوں میں۔ اللہ رکھے۔ ہاتھ پیروں سے سلامت ہوں کسی کی محتاج نہیں۔"

"نہ جی میں کیا پوڑھیاں دا مسئلہ اے!"

"کیا بوڑھی بوڑھی کیے جاتی ہو؟" دادی جھلا گئیں۔ "خود بڑی نوجوان ہے کم بخت۔"

آگے وہ منہ میں بڑبڑائی تھیں۔ وہ ان کی سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھیں جو ان کے صحن میں اترتی تھیں ان کو آتا دیکھ کر نور بانو کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تاج ذرا ادھر آؤ بھئی۔" قطب الدین صاحب نے کمرے سے آواز دی تھی۔

تاج بیگم دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"ارے بھئی سر درد سے پھٹا جاتا ہے۔ سر درد کی گولی لا کر دو۔ ایک کپ چائے بنا دو ساتھ میں۔"

"جی اچھا!" وہ فکر مندی سے بولیں۔ "گولیاں تو ختم ہو گئی ہیں۔ میں جمشید سے منگواتی ہوں۔ تب تک چائے بھی بن جائے گی۔"

"وہ تمہارا لاڈلا تو لگے گا رات کرنے۔ کسی ڈھنگ کے بندے کو بھیجو!" وہ کراہے۔

"لیجیے۔ اب اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں۔ آپ کو تو ہمیشہ اپنی اولاد میں کیڑے دکھائی دیتے ہیں۔" وہ خفا ہو گئیں۔ "میں ابھی لے آتی ہوں گولی اور چائے۔"

وہ مڑ کر کمرے سے نکلی تھیں۔

"جمشید۔۔۔ او جمشید۔"

"جی امی۔" وہ عینک درست کرتا چلا آیا۔

"تمہارے ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ سر درد سے بے حال ہو رہے ہیں۔ دوڑ کر گولیوں کا پتہ لے آؤ میڈیکل اسٹور سے۔ میں تب تک چائے بناتی ہوں۔"

"جی اچھا۔" اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

"جلدی آنا۔ دیر نہ کرنا۔"

UrduPhoto.com

"امی گیا' ابھی آیا۔" وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

گیٹ سے باہر نکلتے ہی وہ پتھر کا بت بن گیا۔ باہر کھڑی ٹیکسی میں سے تین عدد حسینائیں برآمد ہو رہی تھیں۔ جمشید کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس کے دل میں سب سے پہلا خیال یہی آیا کہ دوڑ کر جائے اور جنید کو بلا لائے پھر اس نے اپنا خیال خود ہی رد کر دیا۔ جنید کی موجودگی میں اسے ہمیشہ صفر مارکس ملتے تھے۔

ارشاد کی نگاہ اس کے کھلے ہوئے منہ اور پھٹی ہوئی آنکھوں پر پڑی۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔ اس نے ٹیکسی والے کو پیسے دیتی شمشاد سے کچھ کہا۔ تینوں مڑ کر اسے دیکھنے لگیں تو وہ بے طرح شرما گیا۔

"جمشید صاحب! اجی سنتے ہیں۔ ذرا ادھر آئیں۔" غالباً" وہ شمشاد ہی تھی۔

جمشید کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے دائیں دیکھا پھر بائیں پھر ہونق پن سے آسمان کو دیکھا۔ وہ تینوں قہقہہ مار کر ہنس دیں۔

"ہم یہاں ہیں!" وہ کورس میں بولیں۔

وہ پھر شرمایا۔ جھجکا۔ اپنا چشمہ اتار کر پھر سے پہنا۔ اور پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ان تک پہنچا۔

"کیسے ہیں جناب؟" بے تکلفی سے پوچھا گیا۔

"جی میں۔۔۔ جی میں۔۔۔" خوشی سے آواز اس کے گلے میں اس طرح پھنسی کہ پورا جملہ باہر نہ آسکا۔ قہقہہ پھر لگا۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے ہم سمجھ گئے۔ آپ بہت اچھے ہیں۔" بڑی شوخی سے بولی۔

جمشید نے آنکھیں پٹپٹائیں اور اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔

"ایک کام ہے۔ کریں گے؟" انداز دلبری سے پوچھا گیا۔

سر پھر فانٹ اثبات میں ہلا۔

"یہ ہمارا سامان اوپر تک لے چلیں۔ لمبے سفر سے اتنے تھک گئے ہیں۔ ہلا تک نہیں جاتا۔"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ میں سب لے جاؤں گا سب۔۔۔"

اس نے دونوں ہاتھوں میں بڑے بڑے اٹیچی کیس اٹھا لیے۔ شمشاد نے جلدی سے سفری کولر اس کی گردن میں لٹکا دیا۔ ارشاد نے ہینڈ بیگ اس کے کاندھے پر رکھ دیا۔

"یہ کمبل؟" دلشاد نے پوچھا۔

"ان کے سر پر رکھ دو۔ کیوں جمشید صاحب؟"

"بالکل بالکل۔۔۔" اس کی پھنسی پھنسی آواز آئی۔

"ہاں ہاں جوان، تگڑے آدمی ہیں۔ کوئی اتنے سے سامان سے ان کی پسلی تھوڑا ہی ٹوٹنے والی۔" چھوٹی ارشاد نے ٹکڑا لگایا۔

"جوان" اور "تگڑے" کے الفاظ نے اس کی لچکتی کمر کو کافی سہارا دیا۔ لیکن چشمہ حسب معمول سرک کر ناک کی پھننگ پر جا پہنچا۔

"ہم۔۔۔ میرا چشمہ۔۔۔"

"اتار لے شمی!"

شمشاد نے ایک ادا سے چشمہ اتار لیا۔

"ہم۔۔۔ میں دیکھوں گا کیسے؟" اس نے پھولی ہوئی سانسوں میں پوچھا۔

"ہم لیے چلتے ہیں جناب۔ یہ دیکھیں آپ کا بازو پکڑ لیا۔"

"ہی ہی ہی۔۔۔" اس کی ہنسی نکلی۔ "مم۔ مجھے گدگدی ہوتی ہے۔"

"ہمیں بھی تو ہو رہی ہے ہم کوئی ہنس رہے ہیں؟" یہ دلشاد تھی جس نے مسکراہٹ مشکلوں سے ضبط کی ہوئی تھی۔

دونوں جانب سے اس کے بازو تھام لیے گئے تھے۔ بوجھ کا کافی سارا احساس ہوا ہو گیا تھا۔ شرمائی شرمائی مسکراہٹ کے ساتھ کمر لچکا مٹکا کر اس نے سیڑھیاں طے کیں۔

"امی جی! ہم آ گئے۔" ارشاد نے آواز لگائی۔

"ہائے نی! میں صدقے۔۔۔ میں واری۔ میری

UrduPhoto.com

کڑیاں جیسے ویلے پہنچی آں۔“

نوربانو خوشی سے بے حال ہو کر آگے بڑھیں' پھر ٹھٹک کر رک گئیں۔ ”ہائے وے ربا ایس بے چارے دا کی حال کیتا اے؟“ وہ حیران نظروں سے جمشید کو دیکھنے لگیں۔ جبکہ لڑکیاں پیاری دادی جان کو سامنے بیٹھا دیکھ کر سب شوخی بھول گئیں۔ وہ شعلہ بار نگاہوں سے اپنے پوتے کا حال دیکھ رہی تھیں۔

شمشاد' دلشاد اور ارشاد نے فٹافٹ اپنا اپنا سامان تھاما۔

”میرا چشمہ۔۔۔“ اس کے لبوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔

شمشاد نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا چشمہ اس کی آنکھوں پر لگا دیا۔ سب سے پہلے جو چیز اسے نظر آئی وہ دادی جان تھیں۔ جمشید کو اپنی بصارت پر شبہ گزرا۔ اس نے جلدی سے چشمہ اتار کر صاف کیا اور پھر سے لگایا۔ منظر حسب سابق تھا۔

”د۔۔۔ دادی۔۔۔ آ۔۔۔ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ میں تو ان کا سامان۔۔۔ وہ میں جوان تگڑا آدمی نیچے کھڑا تھا۔ آپ بوڑھی جان یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔“

”کوار نکال کر دن سے!“ وہ کڑک دار آواز میں بولیں۔ ”اوپر چل نیچے۔“

”کم بختی مارے ناس پیٹے مردار شرم نہ آئی تجھے؟“ دادی غضب ناک ہو رہی تھیں۔

”وہ دادی میں تو ان کی مدد۔۔۔“ وہ منمنایا۔

”ارے قلی ہے تو مزدور ہے کیا ہے؟“

”وہ دادی میں تو۔۔۔“

”گدھا ہے گدھا۔“ قطب الدین صاحب نے ٹکڑا لگایا۔ ”پرایوں کا بوجھ ڈھوتا ہے۔ باپ دوائی کے لیے بے حال ہو رہا ہے اس کی بلا سے۔“

”میں دوائی لینے ہی جا رہا تھا ابو جی! رستے میں د۔۔۔“

”ایسی بلائیں ہیں کم بختیں۔ میرے بچے کو خچر بنا ڈالا۔ ارے تاج بالکل قلی لگ رہا تھا۔ قسم لے لو۔ پہلے تو میں پہچانی نہیں۔ چشمہ تک نہیں تھا چہرے پر سمجھو لگ رہا تھا۔“

غزل منہ دبا کر ہنس دی۔ اس کے ایک مکا پڑا۔

”میسنی۔۔۔ ہنس رہی ہے بڑا بھائی ہے تیرا۔“

”دادی آپ ہی تو مذاق بنا رہی ہیں۔“ وہ برا سا منہ بنا کر کندھا سہلانے لگی۔

”میں تو تیرے باوا کا بھی مذاق بنا سکتی ہوں۔ دادی ہوں تیری۔ چل اٹھ' جا کر نہا۔ بال کیسے چیکٹ ہو رہے ہیں۔ اور سن لڑکے۔“

انہوں نے جمشید کو گھورا۔

”اگر آئندہ میں نے تجھے ان کا بوجھ ڈھوتے دیکھا تو گلے میں رسی ڈال کر ان کے صحن میں باندھ آؤں گی۔ سمجھا؟“

”ان کے صحن میں؟“ اس کی باچھیں اس تصور سے ہی کھل گئیں۔

پھر جلدی سے اس نے باپ کی طرف دیکھ کر گردن جھکا لی۔

UrduPhoto.com

عشق و مزدوری عشرت گہہ خسرو کیا خوب!
ہم کو تسلیم نکو نامی فرہاد نہیں

جنید نے ”دیوان غالب“ بند کرتے ہوئے کہا۔

جمشید نے خفگی سے اسے گھورا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ بھائی جان کہ فرہاد کا کام عشق کرنا ہے۔ مزدوری نہیں۔ عشق اور عشرت گاہ کی مزدوری دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ اب آپ بھی شمو کی نگاہ میں عاشق نہیں بن سکتے۔“

”یوں نہ کہو میرے بھائی۔“ وہ دل گداز انداز میں بولا۔ ”ورنہ میں فرہاد کی طرح ہی چشمہ مار کر اپنا سر پھوڑ لوں گا۔“

”چشمہ نہیں تیشہ!“ اس نے تصحیح کی۔

”ہاں ہاں وہی وہ ہوتا کیا ہے؟ کہاں سے ملتا ہے؟“

"اسے تو آپ اباجان سے ورثے میں ملا تھا یا خسرو نے ازراہِ عنایت نیا نکور عطا کیا ہوگا۔ آپ کو کچھ خریدنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے جذبات اور گزرتے واقعات کو باریک بینی سے دیکھتے ہوئے پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ یہ کام از خود ہونے والا ہے۔"

"اچھا!" اس نے جنید کی بات قطعاً نہ سمجھی اور دل پہ پلٹے بولا۔ "وہ کس طرح میرے بھائی! دیتے جائیے!"

"اچھا وہ خط کا کیا بنا؟"

"آپ کے پاس ابھی خط خریدنے کے لیے رقم کہاں ہے۔ نئی خط پچاس روپے کی بات طے ہوئی تھی۔"

"تو یار! ادھار کرلو۔"

"اس ادھار سے میں آپ کی محبت کی پتنگ اڑنے سے پہلے ہی کاٹ ڈالوں گا۔"

"اتنے سنگ دل مت بنو میرے بھائی!" اس نے آواز میں رقت اور سوز پیدا کیا۔ "وہ حلیمہ آئیں کچھ چند دن کی رخصت لے کر آئی ہیں۔"

"ہائیں؟ اللہ..."

"نہیں نہیں اپنے کالجوں کے لیے نہیں پھر لوٹنا ہے۔ کچھ دنوں میں اوپری منزل پھر میرے دل کی طرح خالی ہو جائے گی۔"

"آپ کی "اوپری منزل؟" اس نے جمشید کی کھوپڑی ملاحظہ کی۔ "وہ تو پہلے ہی خالی ہے بھائی جان! آپ کو کیا مغالطہ ہوا؟"

وہ بھنا کر رہ گیا۔

"تم خود کو غالب پارٹ ٹو تو نہیں سمجھنے لگے؟ بہت اترا رہے ہو؟"

"میں کسی شاہ کا مصاحب نہیں ہوں بھائی جان!" اس نے سرد آہ بھری۔ "خجستہ خان کی دوستی نے میرا دیوالیہ نکال دیا ہے۔ دن رات ایک کرکے نوٹس بناتا ہوں۔ وہ حسینہ ایک ادائے دلبری سے مسکرا کر بغل سے فائل نکال لیتی ہے۔"

"حسینہ ہو کر بغل میں فائل رکھتی ہے؟ خنجر نہیں؟" جمشید نے حیرت سے چشمہ درست کیا۔

"میں اپنی بغل کی بات کر رہا تھا بھائی جان! فائل چونکہ میری ہوتی ہے اس لیے میری ہی بغل میں ہوتی ہے۔"

"تو وہ کیوں نکالتی ہے؟"

"تاکہ اسے بنے بنائے نوٹس مل سکیں۔ جو چیز اس کے پاس نہیں ہے وہ اس کو استعمال کرنے کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہتی۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"اس کے پاس کیا نہیں ہے؟"

"جو آپ کے پاس بھی نہیں ہے اسے بنے بنائے نوٹس درکار ہیں۔ آپ کو لکھے لکھائے خطوط کی طلب ہے۔"

"اور تمہیں کیا درکار ہے؟" جمشید نے اسے گھورا۔

"آہ!" اس نے سرد آہ بھری۔

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیارِ طبع خریدار دیکھ کر!

جمشید نے غصے سے سر جھٹکا۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" اس نے دیوانِ غالب کو گھورا۔ "کوئی آسان سا شاعر ڈھونڈتے یار!"

UrduPhoto.com

"سلام دادی!"

دادی اپنے تخت پر گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز تھیں۔ بازو آنکھوں پر رکھے وہ سستی سے لیٹی اونگھ رہی تھیں۔ آواز پر اچھل ہی پڑیں۔ سامنے بالم کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"بہت تیرے کی مردار!" وہ اٹھ بیٹھیں۔ "چلا آیا تو لمبوترا منہ لے کر۔"

"ہی ہی ہی!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب ڈرایا کر ہمیں دن رات۔" وہ پنکھی اٹھا کر بیزاری سے جھلنے لگیں۔

"میں پنکھا جھل دوں دادی۔" وہ خوشامد سے بولا۔

"نہ! اللہ معاف رکھے ایک مرتبہ میرے کان پر ماری

تمہی بیٹھی تو نے تو کہاں دل لگتا ہے کام میں۔"

"یہ بابا ہیں دادی؟"

"ارے تو گدّا یا ہمارا۔ تجھے کوئی پوچھنے والا ہے؟ چل بیٹھ ادھر ذرا اب پیروں کو۔" دادی اس کی چاپلوسی سے کچھ راضی ہوئیں۔

وہ جھٹ تخت پر بیٹھ گیا۔ ان کی ٹانگیں اٹھا کر اپنی گود میں جو رکھیں دادی پیچھے کو الٹ گئیں۔

"ہی ہی ہی دادی گر گئیں۔" وہ گھبرایا مگر اسے ہنسی بھی آ گئی۔

گاؤ تکیے پر الٹی ہوئی دادی چلائیں۔ "ارے کم بخت اللہ کی مار خبیث، اٹھا مجھے سیدھا کر۔"

"میں تجھے سیدھا کر دوں۔" بالم نے لپک جھپک کر انہیں سہارا دے کر پھر سے بٹھایا۔

"چھڑی پکڑا میری!"

اس نے جلدی سے ان کی چھڑی اٹھا کر انہیں تھمائی۔

"مردار... ناس پیٹے!" پے در پے کئی وار انہوں نے اس کی پسلیوں پر کیے۔

"ہائے اللہ... مر گیا دادی... لگتی ہے۔" وہ ادھر ادھر اچھلا۔

"ارے! تو تو مونگ دل ہمارے سینوں پر۔" انہوں نے تھک کر چھڑی پھینکی۔ "مرے گا کیا۔"

اندر سے غزل، جمشید اور تاج بیگم شور سن کر باہر نکلے۔

"کیا ہوا... کیا ہوا دادی۔"

"ارے بالم!" جمشید کی باچھیں کھل گئیں۔ "تم آ گئے یار۔"

"ہاں! تو پھولوں کا ہار ڈال اس کے گلے میں۔ گھر کے دھندوں سے جان چھوٹی۔" دادی طنز سے بولیں۔

"شکر ہے بالم تم آئے۔" غزل نے ناک چڑھائی۔

"تیرے منہ کو تو خندق ہے۔" دادی نے اسے گھورا۔ "لگی بالم بالم کرنے۔"

"ذرا سا آرام کر لو تو پھر سنبھالو۔" تاج بیگم کو اطمینان ہوا۔ "چائے بنا کر برتن دھو لینا۔"

"بس یہی کرے گا اب سب کچھ... سب سمجھتے ہوئے اس کے۔" دادی بڑبڑائیں۔

بالم کو دیکھ کر سب "ایزی" ہو گئے تھے دادی کلس کر رہ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پیاری شمی!

سلام محبت (اول اول) پیش خدمت است!

جمشید نے چشمہ شہادت کی انگلی سے پیشانی تک دھکیلا اور ناک بھوں چڑھائی۔

"یہ کیا لکھ دیا ہے؟ یہ تو خود میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"آپ پورا پڑھ لیں۔" وہ مصروف انداز میں بولا۔ "آپ کو بعد میں تشریح بھی لکھ دوں گا۔"

"اچھا!" وہ مطمئن ہو کر پھر سے پڑھنے لگا۔

"تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

آپ ہمارے گھر میں آئیں یوں لگا گلستان میں بہار چلی آئی ہو۔ لیکن ابھی مشام جاں اس بہار کی خوشبو سے معطر بھی نہ ہو پائی تھی کہ آپ پڑھائی کا بہانا کر کے ہم سے دور چلی گئیں۔

"یار!" جمشید نے تحریر پڑھنا ترک کر کے پھر سے چشمہ پیچھے دھکیلا۔ "یہ تو بڑی گاڑھی گاڑھی باتیں لکھ ماری ہیں۔ "محبت" تو بس پہلی لائن میں ہے۔ وہ سمجھے گی کیسے؟"

"بھائی جان!" ایل نے کتاب پر سے سر اٹھایا۔ "لڑکیاں ہمیشہ ٹیڑھا میڑھا اور ترچھا اظہار محبت پسند کرتی ہیں۔ سیدھی سیدھی بات انہیں سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ مبہم بات پسند کرتی ہیں۔ مبہم!"

"اچھا!" وہ مبہم مسکرایا۔ "پھر آگے پڑھوں؟"

"پڑھیے پڑھیے... جو سمجھ نہ آئے پوچھ لیں۔"

UrduPhoto.com

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

"یار جنید!" وہ پریشان ہوا۔ "یہ مرنے مارنے کی باتیں کیوں لکھ دیں یار! پیار محبت کی باتیں لکھو، عشق و عاشقی کے قصے ہوں اور یہ شوخ کی جگہ شمشاد ہی لکھ دو تو کیا حرج ہے؟"

"بھائی جان!" جنید نے پین رکھ دیا اور اس کی جانب متوجہ ہوا۔ "میں نے پچاس روپے لے کر خط آپ کے حوالے کر دیا ہے، اب آپ کی مرضی ہے جو "ایڈیشن" کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اور اچھی طرح سوچ لیں کہ شمشاد، دل شاد اور ارشاد میں سے کیا لکھنا ہے۔ پہلا پہلا خط ہے، ابھی سوچ سکتے ہیں، بعد میں کوئی چانس نہیں۔"

"اچھا!" وہ فکر مندی سے بولا۔ "ہاں! سوچ لوں۔ نہیں یار! شمشاد ہی ٹھیک ہے، جمشید جیسا ہی لگتا ہے اور وہ ہے بھی سب سے پیاری، سب سے گوری۔"

"ٹھیک ہے پھر نامہ بر کے متعلق ابھی کچھ سوچا۔"

"وہ کون ہے؟"

"یہ تو آپ کا ہی مقصد ہے کہ خط کیسے بھجوائیں گے؟"

"پوسٹ کر دیتا ہوں۔"

"ماشاء اللہ... اوپری منزل پر تو بہت چالو ہے آپ کی۔ بنا تیشے کے پہاڑ کاٹنے کے نت نئے طریقے سوجھ رہے ہیں آپ کو۔ وہ تو چلی جائے گی ہاسٹل اور پیچھے سے بذریعہ پوسٹ پہنچنے والا خط انکل خورشید علی یا آنٹی نور بانو ہی کھولیں گی۔ آپ نے شاید ان کے کچن میں وہ مسالا پیسنے والی کونڈی اور اس کا ہینڈل ڈنڈا نہیں دیکھا۔ جب وہ لوگ سامان شفٹ کر رہے تھے، تب میں نے ہی وہ اٹھا کر اوپر پہنچائے تھے۔ اس دن سے میں نے ان تین حسیناؤں میں سے کسی سے بھی محبت کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا، لیکن آپ واقعی فرہاد کی مانند جواں مرد ہیں۔ سیلیوٹ فار یو!"

جمشید کچھ سوچنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" پھر وہ بولا۔ "میں نے سوچ لیا ہے۔"

"کیا؟"

"نامہ بر کا نام!"

"وہ کیا؟" جنید نے اسے دیکھا۔

"بالم!" وہ مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼

"ارے او چوٹے! ادھر آ مردود!" دادی کی باٹ دار آواز اور خطرناک قسم کے تیوروں نے انگلی پر کپڑے ڈالتے ہوئے بالم کو سہما دیا۔

"جی دادی..." وہ ڈرتا ہوا ان تک پہنچا اور ان کے سرہانے رکھی ہوئی چھڑی کو دزدیدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میرے سرہانے سے پچاس روپے کا نوٹ نکالا ہے نا تو نے؟" انہوں نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"نہیں دادی... اللہ قسم... میرے باپ کی توبہ۔" اس نے کان پکڑے۔

"خوب یاد ہے مجھے، پچھلے مہینے میں نے رکھا تھا یہاں... ریگا کاری پڑی ہے لیکن نوٹ غائب ہے... پھر یہ جنید کا کام ہے... اسے ہی نوٹوں کی ضرورت ہے آج کل... پرائی لڑکیوں سے مانگ لیتا ہے، دادی سے مانگتے شرم آتی ہے کم بخت کو... چوری کرتے شرم نہیں آتی... آنے دو اسے، سمجھتی ہوں میں۔"

"بالم... یار بالکے..." جمشید نے کمرے سے سر نکالا۔ "یار! فارغ ہو تو ذرا آنا۔"

"تم اس قدر فراغت سے ہو تو اس غریب کو فارغ ہونے کا موقع کہاں ملنا ہے۔" دادی نے اسے جواب دیا۔ "یہ آیا اور سب کی عید ہوئی، بے چارا قربانی کا بکرا۔"

"ہی ہی ہی..." وہ شرما کر انگلی کے پاس سے پاکستانی ہیروئن کی طرح بل کھا کر دور چلا گیا۔

"نوٹنکی کہیں کا۔" دادی اس کی حرکت سے جل گئیں۔

UrduPhoto.com

"بھائی جان!" اس نے اندر جھانک کر پوچھا۔

"میں آجاؤں؟"

جمشید بے تابی سے اس کی جانب بڑھا۔ بالم کا ہاتھ کھینچ کر اس نے اندر کیا اور دروازے کی کنڈی لگا دی۔

"ہائے اللہ بھائی جان! یہ کیا کر رہے ہیں؟" وہ چلایا۔

"ارے چپ کرو۔" جمشید نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھا پھر جھلا کر ہٹایا۔ "ایک تو یہ تمہارے دانت۔"

"ہی ہی ہی۔۔۔" اس نے فوراً نمائش کی۔

"اندر کرو انہیں۔"

اس نے فٹ منہ بند کر لیا۔

"یار بالم!" جمشید نے قدرے خوشامدی انداز اختیار کیا تھا۔ "ایک کام ہے تم سے کرو گے نا؟"

"سارے کام تو کرتا ہوں بھائی جان! وہ ایک بھی کر دوں گا۔"

"یار یہ۔۔۔ ایک۔۔۔ ایک کاغذ ہے۔۔۔" اس نے ڈرتے ڈرتے جیب سے تہہ کیا ہوا خط نکالا۔ "کسی کو دینا ہے۔"

"کس کو دوں؟" اس نے کاغذ اچک لیا۔ "باجی کو؟"

"ارے باپ رے۔۔۔ مرواؤ گے مردود؟" اس نے دادی کی زبان استعمال کی۔ "اپنے گھر میں یہ کسی کو نہیں دینا کسی سے ذکر ہی نہیں کرنا اس کا۔۔۔"

"دادی سے بھی نہیں؟"

"او خبیث۔۔۔ حواسوں میں آجا کیوں میرے گلے میں رسی بندھوانے کی ترکیبیں سوچ رہا ہے۔"

"پھر تا میں نا بھائی جان! کس کو دوں؟" وہ اکتا گیا۔

"یہ لے دس روپے، تیری خرچی۔" جمشید نے ادھر ادھر دیکھ کر دس کا نوٹ اس کے حوالے کیا۔ بالم خوشی سے کھل اٹھا۔

"میں صدقے بھائی جان! میں واری جاؤں۔"

"اب سن۔" جمشید اس کے کان میں سرگوشیاں کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"یار جنید! آخر جوابی محبت نامہ کب موصول ہوگا؟ میں انتظار کی گھڑیاں گن گن کر تھکتی [illegible] ہوں۔"

"بھائی جان! عاشقی صبر طلب کام ہے۔ تمنا کی آواز پر کان نہ دھریں۔"

جمشید نے تحسین بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "تم کتنے بدل گئے ہو میرے بھائی! ایسی عقل فراست پہلے کبھی تمہارے بے وقوفانہ سراپے سے جھلکی تھی۔ آخر اس تبدیلی کا راز کیا ہے؟ کہیں یار خجستہ خان کی وجہ سے تو یہ تبدیلی نہیں آئی؟"

جنید نے سرد آہ بھری۔

"بالکل درست اندازہ لگایا آپ نے بھائی جان! یہ سب اسی خجستہ خان کے کرشمے ہیں۔"

"واہ میرے بھائی! محبت ہو تو ایسی، الو کو لومڑی بنا ڈالا۔"

جنید نے تیکھے سے سر اٹھا کر بدمزگی سے اسے دیکھا۔

"مثال دینے میں تو آپ ہمیشہ سے بے مثل رہے ہیں بھائی جان! اور یہ اطلاعاً عرض ہے کہ یہ محبت کا نہیں، رقابت کا کرشمہ ہے۔ جہاں وفا نہیں جفا سرگرم عمل ہے۔ وہ دھوکہ باز حسینہ میرے سب نوٹس لے کے ہضم کر گئی جیسے کسی مشہور ماہنامے کی ردی کی ٹوکری ہو اور میرے سامنے وہ ڈکار لینا بھی گوارا نہیں کرتی۔"

"چچ چچ چچ۔۔۔ جب ہی میں کہوں کیوں لٹکائے تمہاری صورت کلوا دھوبی کے گدھے جتنی لمبی کیوں لگ رہی ہے۔ تو یہ ہے اس کا سبب۔ غم نہ کرو میرے بھائی! میں تمہارے اس غم میں برابر کا شریک ہوں۔"

"رہنے دیں بھائی جان! یہ شراکت داری آپ کو راس نہ آئے گی۔ ابھی آپ کو "اپنے" غم کا بوجھ بھی پورا پورا اٹھانا ہوگا کیونکہ میں اس میں ہرگز شراکت داری نہ کروں گا۔ کلوا دھوبی کے گدھے کا ذکر اس وقت تک کے لیے اٹھا رکھیں۔"

اسی لمحے بالم اپنی پتلی کمر پر لچکتا مٹکتا وہاں سے گزرا۔

"ارے رے رے۔۔۔ سنو بالم۔۔۔ او بانکے۔۔۔"

جمشید نے گھبرا کر اسے آوازیں دیں۔

"چائے کا وقت گزر چکا ہے بھائی جان! باجی کہہ رہی تھیں چائے صرف دو ٹائم بنے گی۔" وہ مصروف انداز میں ٹھہر کر بولا۔

"ارے توپ کا گولہ مارو چائے کو' ادھر آؤ تم۔" وہ جھلایا۔

"جی کہیے۔" بالم نے قریب آ کر کہا۔

"وہ۔۔۔ وہ دے دیا؟"

"وہ۔۔۔؟ وہ کیا؟" وہ الجھ کر بولا۔

"ارے وہی۔۔۔ وہی۔۔۔"

"خط کہہ دیجیے بھائی جان! کوئی حرج نہیں۔" جنید کھل کر بولا۔

"وہ میرا خط۔" وہ دبی آواز میں بولا۔

"ہاں جی' آنٹی کو دے دیا۔" وہ کہہ کر جانے لگا تھا۔

"ہائیں؟" وہ دونوں ہکا بکا رہ گئے۔

پھر جمشید نے جست لگا کر اس کی گدی پکڑی۔

"کیا بک رہا ہے [illegible]"

"بھائی جان! چھوڑیں مجھے۔۔۔ باجی۔۔۔ دادی [illegible]" آوازیں دینے لگا۔

جنید نے لپک کر اس کا منہ بند کیا۔

"اے چپ کر' ورنہ دوں گا ایک مکا۔"

وہ سہم کر خاموش ہو گیا۔

"ہاں اب بتا۔"

"جمشید بھائی جان نے کہا تھا' وہ جو سب سے گوری باجی ہیں' ان کو وہ کاغذ دے دینا۔ میں اوپر گیا تو انکل خورشید' چاچا میاں اور آنٹی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ان میں سب سے گوری آنٹی تھیں' تو میں نے وہ کاغذ ان کو دے دیا۔"

"ہا۔۔۔" جمشید تیورا کر بستر پر گر گیا۔

"ابے بے وقوف!" جنید نے اسے ایک دھپ رسید کی۔ "بھائی جان نے ان کی بیٹیوں کے لیے کہا تھا۔"

UrduPhoto.com

"تو جی ۔۔۔ وہ تینوں تو واپس چلی گئی ہیں ۔۔۔ میں ان کو کیسے روکتا؟" وہ گردن سہلانے لگا۔ جنید مظلوم صورت بنا کر کچھ سوچنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"ہاں بس۔" اس نے ناک چڑھائی۔ "ایسے ہی فضول فضول موقعوں پر بہن کی یاد آتی ہے۔ ویسے تو کبھی میرا نام نہیں لیتے آپ دونوں' اور بھائی جان! کتنی خراب حرکت کی ہے آپ نے۔ اب میرا سامنا ہوگا ان لڑکیوں سے تو مجھے کتنی شرم آئے گی۔"

"پیاری بہنا! افسوس کا مقام تو یہی ہے کہ ان لڑکیوں تک بات پہنچی ہی نہیں۔" اس نے آہ بھری۔ "وہ ایک معصوم سا اظہار محبت تھا' سو من چرس تو نہ تھی جو رستے میں ہی ڈھل گئی۔"

"تو اب میں کیا کروں؟" وہ بھنائی۔ "اور میں کر بھی کیا سکتی ہوں؟"

"تم اوپر جا کر حالات کا جائزہ لے کر آؤ۔ حالات و تاثرات و واقعات نوٹ کر کے ہمیں خبر دو۔" جنید بولا۔

"معاملات کس حد تک بگڑ چکے ہیں' باریک بینی سے مشاہدہ کرو۔ بات بننے کی سبیل کیا ہو سکتی ہے' مشورہ دو۔"

"ہاں ۔۔۔ میں مار کھاؤں' اور آپ دونوں چھپے بیٹھے رہیں۔"

"نہیں میری بہن ۔۔۔ یقین کرو ۔۔۔ ہم مار کھانے میں تمہارا پورا پورا ساتھ دیں گے۔" جمشید جذب سے بولا۔ غزل نے غصے سے سر جھٹک دیا۔

☆ ☆ ☆

غزل جان فزا رپورٹ لے کر آئی تھی۔ ان دونوں کے مرجھائے ہوئے چہرے جی اٹھے۔

"آنٹی کو تو سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ اس میں لکھا کیا ہے۔ انہوں نے نا سمجھی سے وہ کاغذ ڈائننگ ٹیبل پر نمک دانی کے نیچے رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن ان کا ارادہ ہے کہ وہ شام کو خورشید انکل سے وہ تحریر پڑھوائیں گی۔ دراصل وہ سمجھ رہی ہیں کہ وہ کاغذ شمشاد باجی کی پڑھائی سے متعلق کوئی چیز ہے۔"

"اوہ ۔۔۔ کس قدر درست سمجھتی ہیں وہ۔" جمشید نے دانت نکالے۔ "واقعی وہ "انہی" کی پڑھائی کی چیز ہے۔"

"دانت اندر کریں بھائی جان اور یہ سوچیں کہ وہ خط واپس کیسے لیا جائے۔ خورشید انکل' آنٹی اور باجو جیسے سادہ لوح ہرگز نہیں ہیں۔"

"تم گئی تھیں تو لے آتیں۔" جمشید غزل پر بگڑا۔

"جی ہاں۔ احسان ماننا تو ایک طرف ۔۔۔ لگے الزام دھرنے ۔۔۔ میں بھلا کیسے لے آتی؟ اتنی بات بھی میں نے بڑی مشکلوں سے اگلوائی ہے' وہ تو نجانے کیا کیا بولتی رہتی ہیں۔ وہ تو شکر کریں جس وقت باجی خط لے کر آئیں' خورشید انکل کا ضروری فون آ گیا' ورنہ وہ تو اسی وقت ان سے پڑھوا لیتیں۔ اب انہوں نے انکل کے انتظار میں اسے ڈائننگ ٹیبل پر رکھ چھوڑا ہے۔"

"کچھ کرو میرے بھائی!" جمشید نے آہ بھر کر جنید کو دیکھا۔

وہ سوچنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"ان کی ڈائننگ ٹیبل لاؤنج کی مغربی دیوار سے لگی رکھی ہے۔" جنید پُرخیال انداز میں بولا۔

"ہاں' وہاں بیٹھ کر وہ مزے مزے کے کھانے کھاتی ہیں۔" جمشید بھی خیالوں میں مسکرایا۔ جنید نے اسے بری طرح سے گھورا۔

"اپنے تصور کی دنیا فی الوقت اس کونڈی اور ہیلپر ڈنڈے سے آباد کیجیے بھائی جان! جو ان کا کھانا پکانے میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے آگے جانا منع ہے۔"

"صحیح کہتے ہو برادرم!" اس نے سرد آہ بھری۔ "اس کونڈی اور ڈنڈے کے ساتھ ساتھ میرے تصور کے کینوس پر' دادی جان کی چھڑی اور ابو جی کا جوتا بھی پینٹ ہو چکا ہے۔"

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس دیوار میں ایک کھڑکی

UrduPhoto.com

ہے۔ جس کے پٹ چوبیس گھنٹے وا رہتے ہیں۔"

"اچھا تو پھر؟"

"اس کھڑکی کے قریب سے ایک موٹا پائپ گزرتا ہے۔"

"بمقصدِ نکاسی۔" جمشید نے سر ہلایا۔

"تو۔۔۔ بھائی جان۔۔۔ اگر آپ اس پائپ کے سہارے چڑھ کر اس کھڑکی تک جا پہنچیں۔۔۔ تو ایک ہاتھ کے فاصلے پر میز پڑی ہے۔ میرا مطلب ہے۔"

"برادر عزیز۔" جمشید نے اسے گھورا۔ "تم جانتے ہو کہ وہ پائپ لائن ٹوائلٹ کی ہے اور تین جگہ سے لیک ہے اور سوئے اتفاق اگر اس وقت چاچا میاں ٹوائلٹ میں ہوئے تو جانتے ہو میرے ساتھ کیا ہوگا؟ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ثابت کرے گی کہ موت زہریلی گیس سے ہوئی ہے۔"

"لیکن بھائی جان! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تو بہرحال بن کر رہے گی خواہ اس میں لکھا ہو کہ موت سر کے پچھلے حصے پر کوئی وزنی چیز مارنے سے ہوئی ہے۔"

"کیسے بھائی ہو تم" اس نے نظریں نیچی کرتے ہوئے آنسو پونچھے۔ "اتنی سی بات کے لیے تم میرا جان و ایمان دونوں کا نقصان کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ آخر تمہاری بے مثال ذہانت کیا ہوئی۔ جیمز بانڈ کی اتنی فلمیں دیکھ کر تم نے کیا سیکھا؟"

"جوش نہ دلائیے بھائی!" وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ "وہ معمولی کاغذ حاصل کرلینا تو یوں چٹکیوں کا کام ہے۔"

جمشید مسکرانے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ دیکھیے بھائی جان!" جنید نے ایک سفید کپڑا سا اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ "آپ کے مسئلے کا بے داغ حل۔"

"ہائیں۔" جمشید نے اس کے ہاتھ سے وہ کپڑا سا لے کر بغور معائنہ کیا۔ "یہ گاؤ تکیے کا غلاف؟ اور اتنا بڑا اور پھٹا ہوا اس سے کیا ہوگا؟"

"بھائی جان! اگر یہ گاؤ تکیے کا غلاف ہے تو وہ گاؤ تکیہ ہماری پیاری دادی جان ہیں۔ یہ ان کا قدیم اور خاندانی برقع ہے بھائی جان! یہ جالی دار ٹوپی دیکھ رہے ہیں اس میں ہوا کی نکاسی کا کس قدر عمدہ انتظام رکھا گیا ہے اس کو پہن کر دکھائیے۔"

اس نے آگے بڑھ کر وہ برقع جمشید کو پہنا دیا۔

"ہائیں۔۔۔ ارے۔۔۔ اف۔۔۔ یہ کیا بدتمیزی ہے۔۔۔" وہ جالی میں سے جھانکنے لگا۔

"کہیے کیسی ترکیب ہے؟ لیکن ٹھہریے آپ کی مونچھیں پرابلم کر رہی ہیں۔ ان کو اندر ہی رکھیے نا۔ یہ جالی سے باہر کیوں آرہی ہیں۔"

"اتنی زور زور سے سانس لوں گا تو مونچھیں تو ارہیں گی ہی۔" اس نے برقع اتار کر ایک طرف پھینکا۔ "یہ اپنے بس کا روگ نہیں ہے برادر عزیز! اس کو پہنا تو پوسٹ مارٹم رپورٹ کہے گی کہ موت دم گھٹنے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔"

"آپ تو بالکل ناکارہ ہیں بھائی جان!" اسے غصہ آیا۔ "چلیے تجھے محبت کرنے۔ خبردار جو آپ نے آئندہ محبت کا نام لیا۔"

☆ ☆ ☆

"او بہنے۔۔۔ میں اندر آسکتی آں؟" اس نے منہ کمرے میں گھسیڑ کر منحنی آواز میں پوچھا۔

"کون اے؟" وہ بولیں۔

"میں جی۔۔۔ اک غریب عورت آں۔" وہ سفید برقع میں لپٹا اندر چلا آیا۔ "تراہ لگی سی۔۔۔ پانی واسطے آئی آں۔۔۔ پلا دو جی۔۔۔"

"آہو بہنے۔۔۔ ضرور پیو۔۔۔ شربت پیو۔" وہ اٹھ کر فریج تک گئیں۔

جنید نے برق رفتاری سے میز پر نمک دانی کے نیچے رکھا کاغذ کھینچ کر مٹھی میں دبوچا۔

اندر سے نکلتے چاچا جی نے اس کی حرکت دیکھ لی۔

"اوئے۔۔۔ کون اے تو۔۔۔؟" وہ خطرناک تیوروں سے اس کی جانب بڑھے۔ "کی چکیا ایتھوں؟" (یہاں

UrduPhoto.com

سے کیا اٹھایا)

"میں جی... میں جی..." وہ گھبرا کر پیچھے ہٹنے کی کوشش میں کرسی پر گر پڑا۔

چاچا جی کی نظر اس کی جینز اور پشاوری چپل پر پڑی۔

"ابے کمینے میں دس سال تینوں سے چول (واپتر)"

وہ اس کو پکڑنے لپکے۔ جنید برق رفتاری سے کرسی سے اٹھ گیا۔ چاچا جی کرسی پر جا گرے۔ آنٹی نور بانو حیران پریشان سی ساری کارروائی دیکھتی رہ گئیں۔

وہ برقع تھوڑی پر کس کر پکڑے ہوئے وہاں سے بھاگا۔

"چور چور... پکڑو پکڑو..." چاچا جی پیچھے تھے۔

وہ صحن میں پہنچ کر برق رفتاری سے سیڑھیوں کی ریلنگ پکڑ کر نیچے کود گیا۔ صحن میں سوئے اتفاق بدخوش قسمتی کوئی نہ تھا۔ وہ ایک چھلانگ میں اتار کر اپنے کمرے میں گھس گیا اور کنڈی چڑھا کر گہرے گہرے سانس بھرنے لگا۔

"بچ گئے استاد..." وہ خود سے بولا۔

چاچا جی بھی پیچھے بھاگتے ہوئے اسی طرح سیڑھیوں سے کودے تھے لیکن اگلے ہی لمحے باتھ روم سے غسل کر کے باہر نکلتی دادی جان سے ٹکرا گئے۔

"ہائیں۔" دادی ہکا بکا رہ گئیں۔

پھر وہ مارے غصے کے لال پیلی ہو گئیں۔

"خبیث کہیں کے موئے لفنگے تیری یہ ہمت..."

"او چاچی جی... وہ... چور..." چاچا جی کے اوسان خطا ہو گئے۔

"رستم کی اولاد... میں بتاتی ہوں تجھے... تو آیا کیسے میرے صحن میں..." دادی جان اپنا آزمودہ ہتھیار سنبھالے ان کے پیچھے لپکیں۔

"بچاؤ... مینوں بچاؤ کوئی..." چاچا جی دہائیاں دے رہے تھے۔

"لائیے دیجیے پانچ سو کا پتہ اور لے لیجیے اپنا محبت نامہ۔"

"پانچ سو؟" جمشید ہونق ہو گیا۔ "میرے پورے مہینے کی پاکٹ منی مانگ رہے ہو؟"

"کیا سمجھ رہے ہیں آپ؟" وہ طنزاً بولا۔ "پورا کمانڈو ایکشن تھا۔ کسی قسم کی گارنٹی نہ تھی جان اور عزت دونوں سخت خطرے میں تھیں۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" جمشید منمنایا۔

پانچ سو کا نوٹ بہتے آنسوؤں کے ساتھ دے کر اس نے اپنا خط لیا۔

"ہائیں۔" کاغذ کھول کر وہ ہونق رہ گیا۔ "یہ کیا ہے؟"

جنید لپک کر اس کے قریب آیا۔

گوبھی ایک کلو

مٹر دو کلو

ٹماٹر دو کلو

ہرا دھنیا...

"یہ کیا ہے؟" وہ چلایا۔ "پانچ سو روپے میں یہ سبزی کی لسٹ؟"

"لیکن بھائی جان..." وہ پریشان ہو اٹھا تھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تو کا..." تاج بیگم سبزی کی ٹوکری لیے ہوئی آ رہی تھیں۔ جمشید نے جلدی سے کاغذ چھپایا۔ جنید نے نوٹ جیب میں ڈال لیا۔

"کیا ہوا امی جان؟"

"ارے اِدھو سبزی فروش آج بڑے موڈ میں تھا۔ ایک کاغذ سامنے رکھے لہک لہک کر شعر سنا رہا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ باجی! مرزا غالب سنو گی؟"

"ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن..." جنید بولا۔

"ہاں ہاں... یہی شعر تھا۔"

"چلا گیا وہ؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"ہاں کب کا۔" وہ ٹوکری سنبھالتی کچن کی طرف چلی گئیں۔

دونوں بھائی ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس دیے۔

UrduPhoto.com